انتقادی مقالہ

خلافت راشدہ
ایک تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر ایس ایم زمان

طبع سوم : ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۲ء
صفحات : ۲۲۰ مجلد، کتابت زیبا
ناشر : ادارہ اشرف التحقیق لاہور

مولانا محمد ادریس کاندھلوی (۱۸۹۹ - ۱۹۷۴ء) کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، مظاہر العلوم سہارنپور اور دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند (شیخ التفسیر - ۱۹۳۹ - ۱۹۴۹ء)، جامعہ عباسیہ بہاولپور (شیخ الجامعہ - ۱۹۴۹ء - ۱۹۵۱ء) اور جامعہ اشرفیہ (۱۹۵۱ء - ۱۹۷۴ء) میں تدریس قرآن و حدیث کی جلیل القدر خدمات سر انجام دیں، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، قاضی زین العابدین میرٹھی اور قاضی سجاد حسین جیسے ممتاز علماء کو آپ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

آپ ایک کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ زیر تبصرہ کتاب پہلے دو بار چھپ چکی ہے اور اب اس کا تیسرا ایڈیشن حسن طباعت و تجلید سے آراستہ ہو کر مولانا محمد میاں صدیقی (خلف الرشید مولانا کاندھلوی مرحوم) فاضل ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کی طرف سے حوالہ جات اور بعض تصریحات کے اضافہ کے ساتھ منظر عام پر آیا ہے۔ زیر مطالعہ کتاب کا دوسرا ایڈیشن "خلافت راشدہ از شیخ المحدثین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی" "گوارا کتابت و طباعت (۲۱۶ صفحات) کے ساتھ مکتبہ عثمانیہ جامعہ اشرفیہ، لاہور کی طرف سے شائع ہوا تھا۔ یہ بہت خوشی اور اطمینان کی بات ہے کہ مولانا محمد مالک کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ نے اپنی زندگی میں جو علمی و تحقیقی

ادارہ اشرف التحقیق کے نام سے قائم کیا تھا اس نے مولانا محمد ادریس کاندھلوی مرحوم کے غیر مطبوعہ مسودات کو شائع کرنے اور انکی مطبوعہ مگر غیر متداول کتب کو از سر نو زیور طباعت سے آراستہ کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب بھی اسی کاوش کا ثمرہ ہے۔

خلافت راشدہ بنیادی طور پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی معروف تالیف ازالتہ الخفاء کی عالمانہ تلخیص ہے۔ جس پر مولانا نے امام ربانی مجدد الف ثانی" کے مکتوبات، شاہ عبدالعزیز" کی تحفہ اثنا عشریہ اور ابن تیمیہ" کی منہاج السنہ سے مواد لے کر نہایت مفید اضافے کئے ہیں۔ مولانا محمد میاں صدیقی نے زیر نظر ایڈیشن میں ضروری حواشی کا اضافہ کر کے اسے جدید لباس پہنایا ہے۔ جسکے لئے وہ تاریخ اور اسلامی علوم کے طلبہ کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔

کتاب کا آغاز خلافت راشدہ کی تعریف اور اسکی شرائط و لوازم کے تذکرہ سے ہوتا ہے۔ خلافت الہیہ اور خلافت نبوت کی تصریح کے بعد خلافت نبوت یا بالفاظ دیگر خلافت راشدہ کا مفہوم نہایت سادگی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

"جس طرح خلیفہ خداوندی خدا نہیں ہوتا اسی طرح خلیفہ نبی، نبی اور رسول نہیں ہوتا مگر نبی کی صفات کا نمونہ اور ظل اور عکس ہوتا ہے پس خلیفہ راشد وہ ہے کہ جس کا نفس ناطقہ اپنی دونوں قوتوں یعنی قوت عقلیہ اور قوت عملیہ میں نبی کی قوت عاقلہ اور قوت عاملہ کے مشابہ اور ہمرنگ ہو اور جن اغراض و مقاصد کے لئے نبی کی بعثت ظہور میں آتی ہو ان اغراض و مقاصد کی تکمیل اس خلیفہ کے ہاتھ پر ہو"(ص ۔ ۲۱)

تاریخی تناظر میں دیکھا جائے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے لئے خلیفتہ الرسول کا لقب اختیار فرمایا اور انکے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کو ابتداء میں خلیفتہ خلیفتہ الرسول کے خطاب سے موسوم کیا گیا تو خلافت راشدہ کی یہ تعریف واضح ہو جاتی ہے۔ آنحضرتؐ کے خلیفہ خاص کی صفات کے بعد اسکا نچوڑ اس جامع جملے میں نہایت خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے:

"غرض یہ کہ جس طرح حضور پر نور کی نبوت تینوں صورتوں کی جامع تھی اسی طرح خلفائے راشدین کی خلافت بھی تینوں صفتوں کی جامع ہوئی۔ یعنی بادشاہی اور علم و حکمت

اور فقیری و درویشی کا مجموعہ ہوئی۔" (ص ۔ ۳۴)

خلیفہ اور بادشاہ میں فرق کو واضح کرنے کے لئے فاضل مصنف سلیمان بن ابی العوجاء کی یہ روایت نقل کرتے ہیں:

"ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ اے امیرالمومنین خلیفہ اور بادشاہ میں تو فرق ظاہر ہے۔ وہ یہ کہ خلیفہ نہیں مال لیتا مگر حق کے ساتھ اور نہیں خرچ کرتا مگر حق کے ساتھ اور آپ بحمداللہ ایسے ہی ہیں۔ اور بادشاہ ظلم کرتا ہے کہ جس سے چاہتا ہے لیتا ہے اور جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔" (ص ۔ ۳۹)

آگے چل کر حضرت سلمان فارسیؓ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

"خلیفہ وہ ہے جو رعیت میں عدل کرے اور مال غنیمت ان میں برابر تقسیم کرے اور اپنے اہل و عیال کی طرح رعیت پر شفقت کرے اور کتاب اللہ کے ساتھ ان کے درمیان فیصلہ کرے۔" (ص ۔ ۴۰)

اسلامی نقطہ نظر سے حقیقی جمہوریت عوامی نمائندوں کے "اختیار کل" کا نام نہیں، خواہ وہ ہر طرح کے شک و شبہ سے بالا صاف شفاف انتخابی عمل کے ذریعہ ہی چنے گئے ہوں، بلکہ ایسے نظام کو کہنا چاہئے جس میں حاکم یا ہیئت مقتدرہ قانون سازی میں کتاب و سنت کی حدود کے پابند ہوں، اپنے ہر ذاتی، اجتماعی یا ریاستی فعل میں شرع (قانون) کی رو سے جوابدہ ہوں، قانون کی نگاہ میں ان کی حیثیت ایک عام شہری سے بالا تر نہ ہو، اور بیت المال (ریاست کے خزانہ) کی ایک پائی پر بھی اپنی ذات کے لئے کسی طرح کا ناحق تصرف نہ کر سکیں۔ ہیئت مقتدرہ کی تعیین کے طریق سے کہیں زیادہ بنیادی اہمیت ان عناصر ثلاثہ کو حاصل ہے۔

ص ۴۱ سے ص ۶۲ تک خلفاء راشدین، بالخصوص شیخین اور خلفاء ثلاثہ، کی خلافت کے اثبات میں عقلی و نقلی دلائل دیئے گئے ہیں ۔ زاں بعد (ص ۶۴ تا ۷۱) سوابق اسلامیہ اور کمالات نفسانیہ (صدیقیت، شہیدیت، حواریت وغیرہ) کی بنیاد پر آیات کریمہ و احادیث مبارکہ کی روشنی میں صحابہ کرام کے مابین فرق مراتب کے اثبات کے ساتھ افضلیت شیخین رضی اللہ عنہما کی بحث

شروع ہوتی ہے (ص ۷۲) ۔ شیخین کی عمومی افضلیت کے حق میں دلائل دینے کے بعد حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق کی افضلیت کے خصوصی اثبات پر گفتگو ہے (ص ۸۲۔ ۸۸) ۔ شیخین کی افضلیت کے بارے میں صحابہ و تابعین کے اجماع اور امت کے درمیان عمومی اتفاق کے پیش نظر یہ بحث زیادہ طویل نہیں۔ خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ بن عفان کی افضلیت ' خلافت کے لئے ان کے انتخاب' آپ کے فضائل و ماثر' معترضین کے اعتراضات اور ان کے جوابات' ابتداء فتنہ اور اس کی حقیقت پر مبسوط و مدلل بحث زیر نظر کتاب کا سب سے طویل باب ہے جو ص ۸۹ سے ص ۱۴۴ تک ۵۵ صفحات کو محیط ہے۔ "فتنہ کی ابتداء" کے عنوان کے تحت مولانا نے خلیفہ ثالث کے دور میں متغیر سیاسی و معاشرتی عوامل کی طرف جامع اختصار کے ساتھ اشارہ فرمایا ہے:

"یہود ابتداء ہی سے اس تاک میں تھے مگر صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں ان کو موقع نہ مل سکا اس لئے کہ ان دونوں خلافتوں میں ادنی ادنی امور پر سخت دار و گیر ہوتی تھی۔ عزیمت پر پورا پورا عمل ہوتا تھا۔ اس لئے کسی دشمن کو فتنہ انگیزی کا موقع نہ مل سکا۔ حضرت ذی النورینؓ کے عہد خلافت میں مملکت اسلامیہ کے حدود زیادہ وسیع ہو گئے اور مسلمانوں میں تمول بھی غیر معمولی طور پر بڑھ گیا۔ فاروق اعظمؓ پر تو شان "اشداء علی الکفار" کا غلبہ تھا اور حضرت ذی النورینؓ پر" شان رحماء بینھم" کا ۔ لسان نبوت سے یہ امر بدرجہ تواتر ظہور میں آچکا ہے کہ عثمان غنیؓ پر شان حیاء کا اس درجہ غلبہ ہے کہ ملائکہ رحمان بھی ان سے شرماتے تھے۔ اسلئے ذی النورینؓ کے زمانہ میں وہ دار و گیر نہ رہی جو پہلے تھی ۔ عہد نبوت سے بعد ہو جانے کی وجہ سے لوگوں کی قوت ایمانی میں بھی فرق آگیا تھا اسلئے ذی النورینؓ نے یہ خیال فرمایا کہ اس دور میں بجائے عزیمت کے رخصت پر ہی عمل ہو جائے تو کافی ہے اسلئے سخت گیری سے کام نہیں لیا"۔
(ص ۱۰۷ ۔ ۱۰۸ ملخصاً)

خلفاء ثلاثہ کے بعد حضرت علیؓ کی افضلیت کا ذکر ص ۱۴۴ سے شروع ہوتا ہے۔ اس ضمن میں حضرت علیؓ کی خلافت میں عدم انتظام اور فتوحات کا سلسلہ رک جانے کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے باہمی اختلاف کی نوعیت' جنگ جمل' جنگ صفین اور واقعہ تحکیم' مشاجرات صحابہ اس بحث کے قابل ذکر عنوانات ہیں۔ حضرت معاویہؓ کے

مختصر تذکرہ میں زیر نظر ایڈیشن کے مدون جناب محمد میاں صدیقی کی طرف سے ان کی شخصیت، کردار اور کارناموں پر مفید تصریحات کا اضافہ کیا گیا ہے (ص ۱۸۹ - ۲۰۰) حضرت معاویہؓ پر سب و شتم اور یزید پر لعنت کے بارے میں اہل السنت و الجماعت کے موقف پر کتاب کا اختتام ہوتا ہے۔ اس ضمن میں مولینا مشہور حنفی سوانح نگار و محدث ابن تغلوبغا (۸۰۲/ ۱۳۹۹ - ۸۷۹/ ۱۴۷۴) کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

"ہم اللہ، اس کے رسول اور اہل بیت کے دشمنوں سے بری اور بیزار ہیں اور ان سے بھی جو عام مسلمانوں میں سے کسی ایک فرد سے بھی اس کے مسلمان ہونے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھنے کے سبب دشمنی رکھے خواہ وہ نسبت ادنی سی کیوں نہ ہو"۔

اور پھر فاضل مصنف اس بیان پر اضافہ کرتے ہیں: "مگر اپنی زبان کو کافروں، ظالموں اور فاسقوں پر لعنت کرنے سے محفوظ رکھتے ہیں خاص کر وہ لوگ جو اس دنیا سے گزر گئے وہ اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے"۔ (ص ۲۱۹)

مولانا کے اختتامیہ جملے اہل سنت کے موقف کا خلاصہ ہی نہیں بلکہ اتحاد بین المسلمین کا نسخہ بھی ہیں اور یہاں نقل کرنے کے لائق ہیں:

"اہل سنت جس طرح حضرت عمرؓ کے قاتل ابو لولوۃ اور حضرت عثمانؓ کے قاتلین پر لعنت درست نہیں سمجھتے۔ جس طرح ہم اہل سنت حضرات صحابہ کرامؓ کے غلام ہیں۔ اسی طرح ہم حضرات اہل بیتؓ کے بھی غلام ہیں اور جس طرح ہم صحابہ کرامؓ کے دشمنوں سے بری اور بیزار ہیں، اسی طرح اہل بیت کے دشمنوں سے بھی بری اور بیزار ہیں مگر اپنی زبانوں کو ظالموں کے لعن و طعن اور سب و شتم سے محفوظ رکھتے ہیں اور اسی کو امام غزالی نے احیاء علوم الدین میں اختیار فرمایا"۔ (ص ۲۱۹)

کتاب کی دو ممتاز خصوصیات ہیں جن کی طرف اشارہ ضروری ہے:

۱۔ برصغیر کے سنی مسلمانوں میں بھی گزشتہ صدی سے شیعیت اور تصوف کے ایک مخصوص سلسلہ کے عقائد کے زیر اثر افضلیت صحابہؓ کے بارے میں اہل السنہ والجماعہ کا متفق و متواتر

عقیدہ اظہار بالجہر سے ہٹ کر ایک طرح پردہ اخفاء میں چلا گیا ہے۔ اہل السنہ کے متواتر عقیدہ کے مطابق جس پر ائمہ اربعہ اور محدثین کا اتفاق رہا ہے حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ اسی ترتیب سے امت میں سب سے افضل ہیں۔ مولینا نے اس کتاب میں اس عقیدہ کا مخصوص علمی رزانت و متانت اور دلائل و براہین کے ساتھ اثبات کیا ہے۔ راقم الحروف کے نزدیک اہل اسلام کو بالخصوص آج کے پر آشوب دور میں جب باطل کی قوتیں اسلام، مسلمانوں اور اسلامی تہذیب کا گھیرا تنگ کر کے انھیں مٹانے کے در پے ہیں افضلیت کی بحث میں الجھ کر اپنی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی بجائے اعداء اسلام کے خلاف متحد ہونے کی فکر کرنی چاہیے۔ تاہم اگر کوئی فریق کسی صحابی کی فضیلت پر اصرار کے در پے ہو تو اس میں شمہ بھر شک کی گنجائش نہیں کہ مولینا کا اختیار کردہ موقف ہی متواتر و متفق علیہ سنی موقف ہے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ کتاب خلافت راشدہ کی تاریخ نہیں۔ مولینا کا اسلوب تاریخی نہیں بلکہ فقہی ہے۔ اور تاریخی وقائع کے بارے میں وہ اپنی رائے فقہی و اعتقادی بنیاد پر قائم کرتے ہیں۔ مثلاً "امام حسنؓ نے کیوں صلح فرمائی؟" کے زیر عنوان وہ لکھتے ہیں۔ (ص ۲۱۲):

"امام حسنؓ نے یہ صلح فوج کی قلت اور کسی کمزوری کی وجہ سے نہیں کی۔ امام کے ساتھ بے شمار فوج تھی اور جانبازی کے لئے مستعد تھی اور یک دل و یک جان امام کی نصرت اور حمایت کے لئے کوشاں تھی اور اس قدر کثیر تھی کہ حضرت معاویہؓ اس کو دیکھ کر مرعوب ہو گئے اور صلح کا پیغام بھیجا۔ پیغام صلح کی ابتداء حضرت معاویہ کی جانب سے ہوئی اور صلح کی درخواست کی۔ ابتداء کمزور کی طرف سے ہوتی ہے ..."۔ (بحوالہ "استیعاب۔ ابن عبدالبر ص ۲۹۸ ج ۳")

اس کے برعکس سید امیر علی، اسلامیان برصغیر کے نامور سیاسی راہنما، ماہر قانون دان، اور ممتاز مورخ جو مسلکاً اثنا عشری شیعہ تھے، حضرت حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

"نئے خلیفہ (یعنی حضرت حسنؓ) کے مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی (حضرت) معاویہ (رضی)

نے عراق پر حملہ کر دیا۔ اس طرح (حضرت) حسن (ؓ) اپنی پوزیشن مستحکم کرنے اور اپنے والد کی وفات کے باعث انتشار کی شکار انتظامیہ کو منظم کرنے سے پہلے ہی جنگ میں کودنے پر مجبور ہو گئے۔ اپنے ایک سپہ سالار قیس کو شامیوں کی پیشقدمی روکنے کیلئے آگے روانہ کیا اور خود بڑے لشکر کے ساتھ مدائن کا رخ کیا۔ یہاں قیس کی شکست اور موت کی افواہ نے نوجوان خلیفہ کی فوج میں بغاوت برانگیختہ کر دی۔ باغی ان کے خیمہ میں گھس آئے ان کا ساز و سامان لوٹ لیا۔ یہاں تک کہ انھیں پکڑ کر دشمن کے حوالے کرنے کا بھی سوچا۔ مکمل دل شکستگی کے عالم میں (حضرت) حسن (ؓ) نے کوفہ کی طرف مراجعت کی۔ اور خلافت چھوڑ دینے کا محکم ارادہ کر لیا۔ وعدوں کے بادشاہ اور عمل میں کوتاہ عراقی حامیوں پر عدم اعتماد نے انہیں (حضرت) معاویہ (ؓ) کی تجاویز پر رغبت سے غور کرنے پر مائل کر دیا۔ بات چیت کے نتیجہ میں ایک معاہدہ طے پایا جس کی رو سے خلافت تاحیات (حضرت) معاویہ(ؓ) کے سپرد کر دی گئی"۔ (۲)

شیعیت کی طرف مائل مورخ الیعقوبی (احمد بن ابی یعقوب المتوفی ۲۸۴ھ / ۸۹۷ء) کی تاریخ سے بھی سید امیر علی کے بیان کی تائید ہوتی ہے۔ (۳)

ان حوالوں کا مقصد یہ ہے کہ زیر تبصرہ کتاب کو ایک تاریخی تصنیف کی حیثیت سے نہ پڑھا جائے بلکہ خلافت راشدہ کے بارے میں سنی نقطہ نظر کی نمائندہ' اختصار کے ساتھ جامعیت اور صراحت وضاحت سے متصف' ایک مستند تحریر کے طور پر اس سے استفادہ کیا جائے۔

حواشی

۱۔ عنوان کتاب اور اسم مصنف و ناشر کے علاوہ اس کے سرورق کے فوقانی حصہ پر یہ عبارت چھپی تھی: " وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخلفنهم فى الارض كما استخلف الذين من قبلهم (قرآن کریم' ۲۴: ۵۵) اما بعد
ایں انتخاب لاجواب و لب لباب ازالۃ الخفاء مصنفہ عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ دھلوی قدس سرہ کہ در تحقیق مسئلہ خلافت راشدہ بربسیط ارض نظیرے نہ دارد"۔

جدید ایڈیشن میں یہ عبارت کہیں نظر نہیں آتی حالانکہ اس سے کتب کے موضوع اور ماخذ کے بارے میں کلیدی معلومات ملتی ہیں۔ توقع کرنی چاہئے کہ کتاب کے چوتھے ایڈیشن میں اس مفید عبارت کو شامل کرلیا جائیگا۔

۲۔ سید امیر علی مرحوم کی تحریر کا اصل انگریزی متن حسب ذیل ہے۔

"Hardly had the new caliph been seated on the pontifical throne when Muawiyah invaded Irak. Hassan was thus commpelled to take the field before he had strengthened himself in his position or organised the administration thrown into confusion by the death of his father. Sending forward a general of the name of Kais to hold the syrians at bay, he proceeded with his main force to Madain. Here a false report of the defeat and death of Kais excited a mutiny among the young caliph,s troops; they broke into his camp, plundered his effects, and even thought of seizing his person and making him over to the enemy. Thoroughly disheartened, Hassan retraced his steps towards Kufa, firmly resolved to resign the Pontificate. Mistrust of his Irakian supporters, so lavish of Promise, so faithless in performance, led him to lend a willing ear to the proposals of Muawiyah. the negotiations resulted in a treaty by which the caliphate was assigned to Muwivah for life." (Ameer Ali, Syed: A Short History of the Saracens, London, Macmillan • Co, PP. 70-17).

۳۔ تاریخ الیعقوبی، بیروت، دار صادر، ۱۳۷۹/ ۱۹۶۰ء، ج ۲، ص ۲۱۵۔